مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کی تفسیری خدمات

برھان التفاسیر لاصلاح سلطان التفاسیر کا اختصاصی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالغفار
سبجیکٹ سپیشلسٹ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج فار ایلیمنٹری ٹیچرز کوٹ لکھپت، لاہور

Abstract

Maulana Sanaullah Amratsari 1868-1948 was a great Muslim scholar of subcontinent. He is known as a scholar of Islam this Tafseer is as witness of it. This tafsser Burhan ul Tafaseer is the answer of Sultan's Padri's Tafseer, Sultan ul Tafaseer who has embraced Christianity after leaving Islam. He published the magazine named almaida January1932 in different small parts in which he has pointed out different differences on Quran. Of which he gave the name a Sultan ul Tafaseer. The Maulna Amratsari started the answer to Sultan Mahmood Tafsaeer. In his on paper Ikhbar Ahle Hadith since 6th may 1932. The Christian scholar wrote only 81 volumes the same volumes vise and the moulana wrote their answer after 81 volumes he stopped writing. So in this way tafseer up to the end of the sura al baqara. In this article the answers of the above mentioned religious scholar mythology and style has become has with which the Tafseer services become very clear.

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (1868ء۔1948ء) اس صدی میں دین حنیف کی سعادت مند جماعت کی نامور شخصیت ہیں جنہوں نے مخالفین اسلام اور گمراہ فرقوں کا ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تقریر و تحریر اور بحث و مناظرہ کے ذریعے احقاق حق اور ابطال باطل کی ذمہ داریوں کو بڑی عمدگی اور حسن و خوبی کے ساتھ سر انجام دیا۔ اپنے دور کے ہمہ جہت شخصیت فرید العصر اور وحید الدہر شخصیت تھے۔

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی فرماتے ہیں:

> اگر رات کو دنیا میں کوئی نیا فرقہ پیدا ہو جائے تو ثناء اللہ صبح اٹھ کر اس کا جواب دے سکتا ہے۔(1)

مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں سر انجام دینے کے ساتھ ساتھ مولانا امرتسری تفسیر نویسی جیسی عظیم و جلیل خدمت سے بھی غافل نہ رہے۔ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا آغاز جس زمانہ میں کیا وہ بہت ہی نازک ذہنی انتشار کا دور تھا۔

حالات و زمانہ پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عبدالمبین ندوی رقم طراز ہیں:

> آپ نے جس ماحول زمانہ میں تفسیر نویسی کا کام شروع کیا ہے وہ بہت ہی نازک اور ذہنی انتشار کا دور تھا اس کا اندازہ اس وقت کے علمی و مذہبی حالات سے لگایا جا سکتا ہے اور جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اس وقت مختلف فرقوں کے لوگوں نے قرآن کریم پر ناشائستہ انداز میں حملے کیے تھے اور بقول اقبال ہر گروہ قرآن کی تفسیریں لکھنے لگا تھا اور خود مسلمانوں کا ایک طبقہ جس میں شیعہ، اہل قرآن، نیچری اور خاکساری، بہائی، قادیانی لاہوری وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے اپنے زاویہ نگاہ سے قرآن حکیم کی جو تفسیریں لکھیں یا شائع کی تھیں جس میں من مانی تاویلات سے کام لیا تھا اور باطل افکار و نظریات کی تائید میں قرآن سے جو دلیلیں تلاش کی تھیں، انھیں جو معنی پہناتے تھے انھیں عقل سلیم اور نقل صحیح دونوں تسلیم کرنے سے قاصر تھے۔ مثلاً بعض لوگوں نے صرف قرآن مجید کو ہی کل سمجھ کر حدیث شریف، اجماع اور قیاس وغیرہ سے انکار کر دیا تھا یا اس کی ضرورت نہیں محسوس کی، کسی نے سائنس کے سامنے سر تسلیم خم کر کے قرآنی آیات کی ایسی تاویلیں شروع کر دیں کہ اس سے قرآن کریم کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ جبکہ سائنس خود قرآنی آیات کی واضح تائید کرتی ہے۔ اس طرح کچھ لوگوں نے بدعات کے فروغ کے لیے جو موروثی طور پر اس کے قائل تھے قرآن کو ہی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جس سے براہ راست عقیدہ توحید و رسالت مجروح ہو رہا تھا۔ نیز اس کے علاوہ غیر مسلموں میں آریہ، عیسائی وغیرہ قرآن مجید پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کر رہے تھے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے صحیح تعبیر کا استہزاء کر کے اپنی مقدس مذہبی کتاب وید، انجیل کے الہامی ہونے کی دلیلیں پیش کر کے قرآنی احکام تصور توحید نظریہ عبادت کو غیر فطری قرار دینے کی انتھک کوششوں میں مصروف تھے۔

بعضوں نے نبوت و رسالت جیسے مقدس منصب میں قادیانیت کے نام سے عظیم فتنہ کھڑا کر دیا اور اپنے

> دعویٰ، نبوت ومہدیت کا ایک نیا سلسلہ جاری کر دیا۔اور اس کے اثبات میں تمام صریح آیات کو تحریف وتاویل کا نشانہ بنایا۔غرض جس کے جی میں جو آیا کہہ گیا اور سمجھ بیٹھا کہ وہی قرآن کی عظیم الشان خدمت انجام دے رہا ہے۔(2)

مولانا امرتسری نے ان تمام حالات کا نہایت سنجیدگی سے جائزہ لیا اور مناظرانہ طرز سے ہٹ کر خالص علمی اسلوب اور دعوتی انداز میں اسلام کے دفاع اور قرآن کریم کی تائید میں خصوصی دلچسپی لی اور قرآن کریم ہی کی آیتوں سے معترضین کے مسکت جوابات دیے ہیں اور انھیں مختلف تقاضوں کو سامنے رکھ کر مختلف انداز سے مختلف تفسیریں لکھیں۔جیسا کہ خود مولانا اپنی تفسیر نویسی کے متعلق لکھتے ہیں:

> چوتھی شاخ میری تصنیفات کی تفسیر نویسی ہے۔یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی غافل نہیں رہا۔روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے تفسیر ثنائی غیر مسبوق طرز پر اردو میں لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے۔اس کے تھوڑا عرصہ بعد بلکہ ساتھ ساتھ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن خاص طرز پر عربی میں لکھی جس کی ملک میں خاص شہرت ملی ہے۔(3)

تفسیر جیسے مقدس موضوع پر جن حضرات کی گہری نظر ہے وہ اس کی عظمت ووسعت سے واقف ہیں۔تاہم مولانا امرتسری نے اپنی گوناگوں مصروفیت اور ہجوم کار کے باوجود قرآن کریم کی چار تفسیریں لکھی ہیں۔جس میں سے دو عربی میں اور دو اردو زبان میں ہیں۔اس کے علاوہ موصوف کی ایک پانچویں تفسیر بھی ہے۔

قرآنی وتفسیری خدمات

مولانا نے اپنی ساری عمر قرآنی تعلیمات کی ترویج واشاعت میں گزاری اور اسی طرح اگر کسی بھی طرف سے کلام مبین پر کوئی نازیبا حملہ ہوا تو اللہ کی طرف سے عطا کردہ صلاحیتوں کی بدولت اس کا بھرپور علمی انداز سے تعاقب کیا۔ہم مولانا کی تفسیر نویسی کو دو پہلوؤں سے دیکھتے ہیں۔(۱)قرآن کریم کی مستقل تفسیر۔(۲)غیر مسلم حضرات کی طرف سے قرآن مجید پر وارد اعتراضات اور شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے لکھی گئی تفسیر۔

مولانا اپنی تفسیر نویسی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

چوتھی شاخ میری تصنیفات کی تفسیر نویسی ہے۔یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی غافل نہیں رہا۔روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے تفسیر ثنائی غیر مسبوق طرز پر اردو میں لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے۔اس کے تھوڑا عرصہ بعد بلکہ ساتھ ساتھ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن خاص طرز پر عربی میں لکھی جس کو ملک میں خاص شہرت ملی ہے(4)

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ہمہ جہت کثیر المطالعہ اور کثیر التصانیف عالم تھے آپ کی مجموعی علمی کاوشوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

مولانا نور حسین گرجاکھی نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

وہ عالم تھا مجاہد تھا محدث تھا زمانے کا

وہ ہر میدان کا غازی مجدد تھا زمانے کا (5)

تفاسیر قرآن کریم اور متعلقہ علوم القرآنی	7
تردید عیسائیت	6
تردید آریہ	32
تردید قادیانیت	36
تنقیدی کتب	21
حمایت	5
جامعۃ المسلمین اور اسلامی کتب	9
علمی و ادبی تصانیف	15
ٹوٹل	131

ان کتب اور رسائل کے علاوہ آپ نے 1900ء میں ماہنامہ اخبار "مسلمان" جاری کیا جو 1913ء تک آپ کی زیر ادارت نکلتا رہا 23شعبان 1903ء کو ہفت وار اخبار "اہل حدیث" جاری کیا جو مسلسل چوالیس سال آپ کی زیر ادارت شائع ہوتا رہا اس کا آخری شمارہ 13 رمضان المبارک 1947ء کو شائع ہوا۔ 1907ء میں ماہنامہ مرقع قادیان جاری کیا۔(6)

مولانا امرتسریؒ کی تفاسیر اور دیگر متعلقہ کتب قرآن مجید کی فہرست دی جا رہی ہے۔

1۔تفسیر ثنائی

یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔مجموعی صفحات 1500 سے زائد ہیں اور اس کی پہلی جلد 1313ھ۔1905ء میں منظر عام پر آئی اور 29 رمضان 1349ھ،18فروری 1931ء کو اس تفسیر کی آٹھویں جلد شائع ہو کر پایہ تکمیل کو پہنچی۔اس علمی تفسیر پر کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی کے ڈین اور شعبہ علوم اسلامیہ کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کے وقیع علمی و تحقیقی مقالات مجلہ الایضاح جامعہ پشاور اور مجلہ التفسیر جامعہ کراچی میں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

2۔تفسیر بالرائے

اس میں تفسیر بالرائے کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر و تراجم قرآن خصوصاً قادیانی، چکڑالوی اور شیعہ وغیرہ کی اغلاط پیش کر کے ان کی اصلاح کی گئی ہے۔اس کی پہلی اشاعت 1938ء مطبع ثنائی امرتسر سے ہوئی اس کے 112 صفحات ہیں اور یہ مکمل نہ ہو سکی۔

3۔تفسیر القرآن بکلام الرحمان (عربی)

یہ تفسیر (القرآن یفسر بعضہ بعضا) کے اصول کے تحت لکھی گئی۔اس کتاب کے اب تک کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

پہلا ایڈیشن 1321ھ۔1903ء میں مطبع اہلحدیث امرتسر سے پانچ سو آٹھ صفحات میں شائع ہوا۔(ان شاء اللہ اس پر الگ مقالہ لکھا جائے گا) اس کا چوتھا ایڈیشن مولانا صفی الرحمان مبارک پوری کی زیر نگرانی مکتبہ دارالسلام الریاض کی طرف سے 1423ھ۔2002ء میں تصحیح کے ساتھ شائع ہوا۔تفسیر القرآن بکلام الرحمان جب شائع ہوئی تو مصر کے رسائل الاہرام اور المنار نے اس پر جامع تبصرہ لکھا۔

علامہ سید سلمان ندوی(1373ھ) نے لکھا:

یہ تفسیر اس قابل ہے کہ اسے نصاب میں داخل کرایا جائے۔(7)

4۔تفسیر بیان الفرقان علی علم البیان

یہ تفسیر 1353ھ۔1934ء میں ثنائی پریس امرتسر میں طبع ہوئی۔اس کی ایک جلد شائع ہوئی مقدم اور سورۃالبقرہ کے اخیر تک ہے۔اس میں علم عربیہ،صرف ونحو لغت ،معانی وبیان کو پیش نظر رکھ تفسیر کی گئی ہے۔مذکورہ بالا چار تفاسیر تو مستقل طور پر تصانیف کی گئیں اس کے علاوہ اب ان کتب کا ذکر کیا جاتا ہے جو براہ راست علوم قرآنی اور معاندین کے جوابات کے طور پر لکھی گئیں۔

5۔آیات متشابہات

مولانا نے اپنی اردو اور عربی تفسیروں کے لیے بطور مقدمہ آیات متشابہات لکھی کہ اس میں آپ نے اصول تفسیر بیان کیے ہیں۔

6۔تعلیم القرآن

یہ ایک سوال قرآن مجید ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کے جواب کے لیے عام مسلمانوں کے لیے لکھی گئی ہے۔یہ کتاب 24 صفحات پر مشتمل ہے۔مطبع آفتاب برقی امرتسر سے 1349ھ میں شائع ہوئی۔(8)

7۔الفوز العظیم

اقسام القرآن،حکم عظمت وموعظت پر عمدہ رسالہ ہے۔(9)

8۔ثنائیہ قرآنی قاعدہ

بچوں کی تعلیم کے لیے ابتدائی قرآنی قاعدہ ترتیب دیا جو بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے بہت مفید ہے۔

حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش:

سوامی دیانند سرسوتی بانی آریہ سماج نے اپنی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش شائع کی اس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر 159اعتراضات کیے گئے۔آپ نے اس کے جواب میں یہ کتاب لکھی۔

ترک اسلام بجواب ترک اسلام

پہلا ایڈیشن 1903ء میں شائع ہوا آخری ایڈیشن 1981میں ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ نے شائع کیا۔اب تک چھے

ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ عبدالغفور نامی نو آریہ دھرم پال نے 14 جون 1903ء کو گوجرانوالہ میں تقریر کی اور اپنے ارتداد کی وجہ بیان کی اور قرآن کریم پر 116 اعتراضات کیے مولانا نے اس کتاب میں سب کے جواب دیے جس سے وہ دوبارہ مسلمان ہو گیا۔

رجم الشیاطین بجواب اساطیر الأولین

تغلیب الاسلام بجواب تهذیب الاسلام

دھرم پال کے اعتراضات کے جوابات دیے۔

کتاب الرحمان بجواب کتاب اللہ وید ہے یا قرآن؟

الہام

1904ء میں طبع ہوا آریوں اور مسلمانوں میں الہام کی تعریف پر جھگڑا تھا اس رسالہ میں الہام کی تعریف کی گئی ہے۔

الہامی کتاب

یہ ایک مباحثہ کی روداد ہے جو مولانا امرتسری اور ماسٹر آتما رام امرتسری کے مابین وید اور قرآن کے موضوع پر ہوا۔

القرآن العظیم

اس مقالہ میں قرآن کریم کا الہامی ہونا ثابت کیا گیا ہے یہ دسمبر 1907ء میں لاہور میں آریوں کے سالانہ جلسہ میں پڑھنے کے لیے تیار کیا۔

قرآن اور دیگر کتب

یہ لیکچر 1910ء میں طبع ہوا جس میں مولانا نے قرآن مجید کی وید اور انجیل پر برتری ثابت کی ہے۔ مجموعہ رسائل متعلقہ بوید و قرآن

مناظرہ دیوریا

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا امرتسری اور پنڈت درشنانند عرف کرپا رام جگرانوی کے مابین 16 اگست 1903ء تک ہوتا رہا۔ موضوع مناظرہ یہ تھا کہ وید اور قرآن میں کون الہامی اور سچا ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار 1903ء میں چودہ صفحات میں طبع ہوا۔

مباحثہ نابھہ

یہ رسالہ بھی مناظرہ قرآن مجید الہامی کتاب ہے یا وید اس موضوع پر پنڈت بھوجدت آریہ سے ہوا۔ یہ 1903ء میں طبع ہوا۔

بطش قدیر بر قادیانی تفسیر کبیر

خلیفہ قادیان مرزا محمود احمد نے تفسیر قرآن پر تفسیر کبیر نامی کتاب لکھی سورہ یونس تا سورہ کہف شائع ہوئی تو مولانا ثناء اللہ

امرتسریؒ نے اس کے دس مقامات پر تعاقب کیا یہ رسالہ 1914ء میں 34 صفحات میں شائع ہوا۔

تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار

1925ء میں مرزا محمود نے تفسیر نویسی کا چیلنج دیا لیکن مرزا محمود نے راہ فرار اختیار کی اس رسالہ میں یہی تفصیلات ہیں۔

تقابل ثلاثہ

مولانا کی یہ کتاب پادری ٹھاکر دت کی کتاب "عدم ضرورت قرآن" کے جواب میں ہے مولاناؒ نے اس کتاب میں قرآن کریم کا تقابل تورات، انجیل کے ساتھ آیت بہ آیت کیا ہے اور تینوں کتابوں کے الہامی مضامین اصل الفاظ میں دکھا کر قرآن مجید کی برتری ثابت کی ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ 1901ء میں مطبع ثنائی امرتسر سے 151 صفحات میں شائع ہوئی۔

معارف قرآن بجواب حقائق قرآن

حقائق قرآن میں عیسائی مصنف نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ حضرت محمد ﷺ سے افضل ہیں اور 14 دلائل ذکر کیے۔ مولانا نے ان کے جوابات معارف قرآن کے نام سے دیئے۔

تشریح القرآن بجواب توضیح البیان فی اصول القرآن

مولانا نے یہ کتاب پادری برکت اللہ مسیحی کی کتاب توضیح البیان فی اصول القرآن کے جواب میں لکھی۔

تفسیر سورۃ یوسف اور تحریفات بائبل

اس کتاب میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ عیسائی پادریوں نے ہر زمانہ میں بائبل میں تحریف کی ہے اور اس کا ثبوت بائبل کے مختلف ایڈیشنوں سے فراہم کیا یہ کتاب پہلی بار 1944ء میں 90 صفحات میں شائع ہوئی۔

دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن

اس رسالہ میں عبداللہ چکڑالوی کے رسالہ برہان الفرقان کا جواب ہے یہ رسالہ پہلی بار 1906ء میں چالیس صفحات میں شائع ہوا۔

خاکساری تحریک اور اس کا بانی

اس رسالہ میں خاکساری تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی کے مذہبی عقائد اور ان کی قرآنی تحریفات پر بحث کی گئی ہے 1939ء میں 110 صفحات میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

الکلام المبین فی جواب الاربعین

مولانا نے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن پر اٹھنے والے اعتراضات کے جوابات اس میں شائع کیے۔

فقہ در اصل قرآن ہے۔

تردید عیسائیت میں لکھی گئی کتب۔

کلمہ طیبہ۔

تقابل ثلاثہ۔

توحید تثلیث اور راہنجات۔

حقائق قرآن۔

اثبات التوحید بجواب اثبات التثلیث۔

تم عیسائی کیوں ہوئے؟

اسلام اور پالیٹکس۔

اسلام اور برٹش لاء۔

مناظرہ الہ آباد۔

تشریح القرآن بجواب توضیح البیان۔

مسیحیت کی عالمگیری پر ایک نظر۔

دین فطرت اسلام ہے۔

برھان التفاسیر دفاع عن القرآن کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جو مجلہ اہلحدیث امرتسر میں اکیاسی اقساط میں شائع ہوئی۔ یہ تفسیر سلطان محمد (پال) عیسائی پادری (سلطان التفاسیر) کا جواب ہے جو اس نے قرآن مجید پر اعتراضات کیے تھے۔ سلطان اسلام ترک کر کے عیسائی ہو گیا تھا۔

برھان التفاسیر تالیف کرنے کا سبب

مولانا ثناءاللہ امرتسری 6 مئی 1932 کے اخبار اہلحدیث کے شمارہ میں اس کے لکھنے کا سبب خود بتاتے ہیں:

سلطان التفسیر بصورت رسالہ المائدہ جنوری 32ء سے جاری ہے۔ ہمارے دل میں اسی وقت سے جواب دینے کا تقاضا تھا لیکن اتنے دنوں تک ہم نے انتظار کیا کہ رسالہ مذکورہ کے چند نمبر نکل لیں تو توجہ کی جاوے گی چنانچہ آج سلسلہ ہذا کا نمبر اول ہے آئندہ حسب تجویز ایک صفحہ اخبار (اہلحدیث) اس سلسلہ کے لیے وقف کیا جائے گا، اس کا نام یہی ہوگا۔ برھان التفسیر برائے اصلاح سلطان التفسیر۔(10)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

> چونکہ پادری صاحب نے ایک ماہوار عیسائی رسالہ المائدہ کی معرفت تھوڑا تھوڑا حصہ شائع کرنا شروع کیا تھا جس کی وجہ سے خیال ہوا کہ اگر اس تفسیر کے خاتمہ تک جنبش قلم کو بند رکھا جائے تو اتنے عرصہ تک زندگی کا کیا اعتبار؟ نیز اتنا ذخیرہ کا دفعتاً کرنا محال ہوگا، اس لیے 6 مئی 1932ء سے ہم نے پادری صاحب کے پیچھے اشہب قلم دوڑا دیا۔ مسلم قلم اتنے زور سے دوڑا کہ پادری صاحب کے برابر جا ملا۔ یہاں تک پادری

صاحب نے کسی خاص مانع کی وجہ سے المائدہ میں مضمون شائع کر کے ترک کر کے اعلان کر دیا کہ۔(11)

پادری صاحب کی تفسیر کا سلسلہ بیچ میں رک گیا تو اس اثناء میں مولانا نے کچھ دیگر فرقوں کی تفسیر کی طرف توجہ فرمائی اور ان کا جائزہ لیتے رہے تا آنکہ سلطان التفاسیر کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ بیچ میں اس تفسیر کا سلسلہ جب بھی موقوف ہوتا مولانا بے چینی سے اس کے دوبارہ جاری ہونے کا انتظار کرتے اور جاری ہونے پر اس کا فوراً محاسبہ شروع کر دیتے تا آنکہ اس سلسلہ کی آخری قسطیں اخبار اہلحدیث میں شائع ہوئیں جس کے آخر میں مولانا لکھتے ہیں:

> (نوٹ) اطلاع: چونکہ پادری سلطان محمد خان صاحب کی طرف سے تفسیر القرآن کا موضوع تین مہینوں سے نہیں آیا اس لیے سردست دونوں صفحات (جو برہان التفسیر کے لیے وقف تھے) اکمل البیان کو دیے جاتے ہیں تاکہ یہ جلد ختم ہو (اہل حدیث امرتسر، 27 صفر 1354ھ بمطابق 31 مئی 1935ء، ص:11(کتاب ہذا کا آخری صفحہ)

اور لگتا ہے کہ سلطان صاحب یہ سلسلہ اس کے بعد جاری نہ رکھ سکے اس لیے برہان التفاسیر بھی اسی قسط پر موقوف ہوگئی۔ اتنے حصے میں مولانا نے قرآن مجید کے پہلے پارے کی مکمل تفسیر پیش کی اور سلطان التفاسیر کا جائزہ لیا۔

اسلوب نگارش

مولانا لکھتے ہیں کہ سلطان التفاسیر کے ابتدائیہ کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ پادری صاحب کہنا چاہتے ہیں:

قرآن مجید کوئی مستقل الہامی کتاب نہیں ہے جو کچھ اس میں خوبی ہے وہ بائبل سے ماخوذ ہے۔ ساتھ ہی اس کے سند روایت کے لحاظ سے قرآن کوئی مستند کتاب نہیں ہے۔ ان سب حالات میں ہمارا فرض ہے کہ ان کی سطر سطر کا جواب دینے کی بجائے ان کے غلط استشہاد کا جواب دیں اور غلط نتیجہ کی تردید کریں۔ پس چنانچہ اسی اصول سے ہم شروع کرتے ہیں۔

طرز اسلوب

اس تفسیر میں مولانا پہلے ایک رکوع کا ترجمہ اس کے ساتھ مختصر تفسیر تحریر فرماتے ہیں۔ اس کے بعد کبھی کبھی حل لغات اور صرفی ونحوی ترکیب بھی فرماتے ہیں۔ اس کے بعد سلطان التفاسیر اور دیگر کتابوں میں اس رکوع کے ترجمہ وتفسیر کے متعلق جو اغلاط وتسامحات ہوئے ان کی اصلاح فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی مولانا کا ترجمہ وتفسیر ہی اعتراضات کے جواب کو متضمن ہوتا ہے اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مولانا رقم طراز ہیں:

> مثلاً ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ایک ایک رکوع کا ترجمہ مع ضروری تفسیر کے لکھ کر پادری صاحب کی طرف توجہ کیا کریں۔ سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کو پیش کیا جاتا ہے۔(12)
>
> الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَۃِ

هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ.(13)

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ میں ہوں اللہ بڑا جاننے والا۔ اپنے علم کی شہادت پر بتاتا ہوں کہ اس کتاب قرآن مجید اصلی معنی سے کوئی شک وشبہ وارد نہیں ہو سکتا۔ یہ تو پرہیزگار لوگوں کے لیے ہدایت نامہ ہے یعنی ان لوگوں کے لیے جو بن دیکھے خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز باقاعدہ ادا کرتے ہیں اور جو کچھ بھی ہم نے ان کو دیا ہے مال، علم عزت وغیرہ اس میں سے نیک راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی مال محتاجوں کو دیتے ہیں۔ اسی طرح علم سے عزت سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے کا ان کو اس کتاب میں حکم ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی ہدایت ہے جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو اے نبی ؟ تیری طرف اتری اور تجھ سے پہلے اتریں یعنی ان کا ایمان حسب ہدایت قرآن سب کتابوں پر ہے اور اس کے علاوہ اس دنیا کی زندگی کے بعد پچھلی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ بس یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ زندگی کے مقصد میں کامیاب ہیں۔ یہ ہے انسان کی قسم اول جو سچ پوچھو تو انسانی نسل کا مکھن ہے۔ باقی رہے دوسرے لوگ ان میں اول وہ لوگ ہیں جو سچی تعلیم کے منکر ہیں۔ انکار کے ساتھ ایسے ضدی ہیں کہ اے نبی ؟ تیرا یا کسی دوسرے ناصح کا سمجھانا اور نا سمجھانا ان کو برابر ہے وہ ایمان نہ لاویں گے۔ اللہ نے ان کی اس حالت کی وجہ سے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر بندش کی قدرتی مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر حق بینی سے حجاب کا پردہ ہے اور ان کے بڑا عذاب ہے۔

ترکیب نحوی

آیت مرقومہ میں "سواء علیهم" کی ترکیب نحوی پر بہت کچھ دار ہے عام طور پر اس کو ان کی خبر بتائی جاتی ہے۔ پادری پال صاحب کے ترجمے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کے ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں :

"بیشک جن لوگوں نے انکار کیا ان کو آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں"

اس ترکیب اور ترجمہ پر ایک سنگین اعتراض ہوتا ہے۔ پادری صاحب نے اس آیت کی ترکیب پر توجہ نہیں کی اور بے مطلب دور دراز کار مباحث جبر وقدر سے اوراق بھر دیئے۔ ہمارے خیال میں ان سب مباحث کا جواب آیت کی نحوی ترکیب صحیح سے حاصل ہو سکتا ہے۔ سنگین اعتراض یہ ہے کہ آیت موصوفہ میں ذکر ہے کہ جو لوگ کافر ہیں وہ ایمان نہ لاویں گے حالانکہ نزول آیت کے بعد بہت سے کافر ایمان لائے پھر اس آیت کی صداقت کیسی رہی؟ جواب یہ ہے کہ ترکیب آیت یوں ہے:

ان حروف مشبہ بالفعل الذین موصول کفروا صلہ، سواء علیهم بدل ہے صلہ سے، تقدیر کلام یوں ہے۔

ان الذین سواء علیھم انذارک وعدم انذارک.

"لایؤمنون" لایؤمنون جملہ فعلیہ خبر ان اس کی ترکیب کی محاورت قرآن مجید کی دوسری کئی ایک آیات سے ملتی ہے اور ہر قسم کے اعتراضات بھی دور ہو جاتے ہیں۔

حروف مقطعات میں پادری صاحب کا اعتراض اور مولانا کا موقف:

پادری صاحب نے حروف مقطعات کے بارے میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جس طرح یہ حروف عدیم الفہم ہیں اسی طرح عیسائی مذہب میں مسئلہ تثلیث عدیم الفہم ہے۔ اکثر ہم مسیحیوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ تثلیث کی تعلیم انسانی سمجھ سے بالاتر ہے اسی لیے یہ تعلیم خدا کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ خدا ایسی تعلیم نہیں دیتا جس کو انسان سمجھ نہ سکے۔ ہم اس قسم کے معترضین سے یہ کہتے ہیں کہ تثلیث کو تو کروڑوں انسانوں نے سمجھا ہے لیکن حروف مقطعات کو کس انسان نے سمجھا ہے؟ ایک نے بھی نہیں (14)

جواب مولاناؒ نے عام مترجمین سے ہٹ کر اپنے ترجمہ میں حروف مقطعات کے مطالب و مرادات بیان کیے ہیں مثلاً الم کا ترجمہ یوں کیا ہے میں ہوں اللہ بڑا علم والا اور حاشیہ میں لکھا ہے ان حروف مقطعات کے معنی بتلانے میں بہت اختلاف ہوا جس کا مفصل ذکر تفسیر اتقان اور معالم میں مرقوم ہے میرے نزدیک صحیح وہ ہیں جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ہر ایک حروف اللہ کے نام اور صفت کا مظہر ہے اس لیے میں نے یہ ترجمہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کیا ہے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔(15)

پھر صوک پر مولانا نے دیگر حروف مقطعات کو اپنے انداز سے بیان کیا ہے اور ہر جگہ اس سے مراد ذات خداوندی اور اس کی ذات کو لیا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں:

> ہم تو قرآن مجید کا کوئی لفظ ناقابل فہم نہیں کہتے نہ صرف ہم بلکہ سلف سے خلف تک اس کے قائل چلے آئے ہیں۔ امام نووی کا قول صاحب اتقان نے لکھا ہے:
>
> یبعد ان یخاطب اللہ عبادہ بما لاسبیل لأحد من الخلق الی معرفة.(16)

یعنی یہ بات بعید از عقل ہے کہ خدا بندوں کو ایسے کلام سے مخاطب کرے جس کو وہ نہ سمجھتے ہوں۔ علاوہ اس کے ایک مضمون بعید الفہم ہوتا ہے دوسرا ضد الفہم ان دونوں میں فرق ہے۔ مثلاً برقی کام جو آج کل ترقی یاب ہو رہا ہے اگر دیہات میں کسی دیہاتی کی سمجھ میں نہ آئے تو کہا جائے گا اس کے حق میں بعید الفہم ہے۔ لیکن دو دو نے پانچ ضد الفہم ہے اس کا قائل اگر پہلی مثال کو اپنی تائید میں پیش کرے تو کون اس کو صحیح جانے گا؟ قرآن مجید میں اگر کوئی لفظ مبہم ہے تو بعید از فہم ہے۔ تثلیث ضد الفہم ہے۔

مولانا عیسائیت کے مسئلہ تثلیث کے گورکھ دھندہ کو جو عیسائی پادریوں نے بڑی الجھنوں کے ساتھ بیان کیا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ناظرین یہ مسئلہ کی تصویر ہے اور اس پر فلسفیانہ تحریر گو کسی کی سمجھ میں آئی بھی ہو ہرگز نہیں بلکہ ساری تقریر اس شعر کی مصداق

ہے کہ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا؟ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

ایک ہی شخص خدا بھی اور بندہ بھی معلوم نہیں کہ ایسا کہنے والے خدا کو کیا سمجھتے ہیں اور اپنے سامعین کو عقل سے اتنا خالی کیوں جانتے ہیں؟ سیدھی بات ہے کہ خدا کی ذات میں داخل ہے کہ نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ اس کی انتہا۔ اور انسان کی ذات میں داخل ہے کہ اس کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔ پھر ایک ہی شخص میں یہ دو متضاد اوصاف داخل فی الذات کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

پادری صاحب جمع ضدین بیرون عقل نہیں بلکہ خلاف عقل ہیں کوئی شخص آن واحد میں رات اور دن کے وجود کا اعتقاد رکھے اور کہے یہ عقیدہ عقل سے باہر ہے تو کیا کیا جائے؟

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست۔ اگر تم سخن شناس نہیں یہی غلطی ہے۔

اس لیے سچے رسول کی ایک حدیث مبارکہ ہے جس کا ترجمہ مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے یوں کیا ہے:

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکہ
کہ سمجھے ہیں عیسیٰ کو بیٹا خدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا
میری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا
سب انسان ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح میں بھی ہوں اس کا ایک بندہ۔

سورۃ الفاتحہ کا شان نزول اور مسیحی اعتراض

پادری صاحب نے سورۃ فاتحہ کے شان نزول کے متعلق اختلاف لکھ کر ایک نتیجہ نکالا ہے کہ جب سورہ فاتحہ کے ساتھ جو ام القرآن اور قرآن عظیم کہلاتی ہے ایسی بے اعتنائی کا سلوک قائم رکھنا کہ اس کے جائے نزول لکھنے تک کا کوئی مؤرخ فکر مند نہ ہو تو بجز اس کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا تعلق قرآن کے کسی حصہ کے ساتھ نہیں ہے۔(17)

جواب از برہان التفاسیر

مولانا فرماتے ہیں کہ شان نزول کا بہت سارا حصہ راویان کلام کے فہم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس شان نزول کا اختلاف قرآن کی کسی سورت یا آیت کی ذات میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ تفصیل کے لیے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ص 31 ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا یہ کہ سورۃ فاتحہ کے متعلق جمہور راویان کلام کا یہ قول لکھا ہوتا ہے مکیہ اس طرح علامہ محمود آلوسی نے روح المعانی میں ایک فیصلہ کن روایت نقل کی ہے کہ یہ مکی ہے۔

عن أبی میسرۃ أن رسول اللہ ﷺ کان اذا برز سمع منادیا ینادیہ یا محمد، فاذا سمع الصوت انطلق هاربا فقال له ورقة بن نوفل: اذا سمعت الندا فاثبت۔ حتی تسمع

مايقول لک فلما برز سمع النداء يامحمد فقال لبيک قال: قل، اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد الرسول الله ثم قال، الحمد لله رب العلمين، الرحمن الرحيم، مالک يوم الدين (18)

یعنی ابومیسرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؟ جب شہر سے باہر نکلتے تو ایک منادی کو آواز دیتے ہوئے سنا کرتے، وہ کہتا تھا یا محمد ! جب آپ یہ آواز سنتے تو بھاگ جاتے آخر (جب آپ نے کہ کے عیسائی ورقہ عالم سے ذکر کیا تو) ورقہ نے آپ کو کہا: جب آپ یہ آواز سنیں تو ثابت قدم رہیں یہاں تک کہ جو وہ کہے وہ سنیے۔ پھر جب ایک روز نکلے تو آواز سنی یا محمد ! کہا میں حاضر ہوں، اس نے کہا کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ پھر اس منادی کرنے والے نے ساری سورۃ فاتحہ پڑھ دی۔ (اور آنحضرت نے یاد کر لی) یہ مرفوع روایت جمہور کی تائید کرتی ہے۔ اسی لیے عام طور پر قرآن میں سورۃ فاتحہ کو مکی لکھا ہوتا ہے۔

ہم بتا آئے ہیں کہ شان نزول داخل فی القرآن نہیں۔ اس لیے اس میں اختلاف ہونا چنداں مضر نہیں۔ مگر کسی الہامی کتاب میں اگر اتنا اختلاف ہو کہ سب سے اول کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ تو وہ اختلاف ایسا ہے جس کو منطقی اصطلاح میں اختلاف ماہیت کہتے ہیں۔

کیا مسیحی علماء بھولے ہیں کہ انجیل متی کی بابت کیا اختلاف ہے؟ پادری عماد الدین کے الفاظ یہ ہیں؟ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس (متی) نے (یہ انجیل) کس زبان میں لکھی تھی؟ عبرانی یا یونانی میں۔ (19)

پادری صاحب ! اب ہم آپ کے الفاظ دہراتے ہیں کہ آج جس انجیل کے بے حساب زبانوں میں ترجمے کیے گئے ہیں، شروع میں اس سے بے اعتنائی کا سلوک کرتا رہا ہے کہ شروع میں اس کی یہ وقعت نہ تھی جواب ہے۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کے۔

پادری صاحب کا اعتراض کہ سورۃ فاتحہ قرآن میں سے نہیں ہے ابن مسعودؓ کے قرآن سے بھی ہوتی ہے جس میں سورۃ فاتحہ اور معوذتین نہیں تھیں اور اس کے لیے پادری صاحب نے الاتقان سے نقل کیا ہے۔ ابن اشتہ نے ابن مسعودؓ کے قرآن کی تعداد و ترتیب سورہ بتلا کر کہا ہے کہ و لیس فیہ الحمد ولا معوذتان۔ (20)

جواب از برہان

پادری صاحب کے اس استدلال سے ان کی طرف سے دو باتیں سامنے آئیں کہ یعنی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ اور معوذتین مسعودی قرآن میں نہ ہونے سے قرآن مجید کا تواتر ٹوٹ جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ پادری صاحب کا سورۃ فاتحہ کی بابت ابن مسعودؓ کی روایت بیان کرنے سے جو مقصد ہے وہ ان کے بطن میں ہے کہ اسے ہم ظاہر کر دیتے ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے کہ غیر قرآن کو قرآن میں ملایا گیا ہے۔ اس کے جوابات ترتیب

سے دیے جاتے ہیں:

آپ کی ساری کوشش ایک غرض کے لیے ہے جو ان شاء اللہ پوری نہ ہوگی۔ یعنی آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ اور معوذتین مسعودی قرآن میں نہ ہونے سے قرآن کا تواتر ٹوٹ جاتا ہے۔(21)

پس سنیے ابن مسعودؓ سے اس کی بابت سوال ہوا تو انہوں نے خود اس کو حل کر دیا۔

قد روى الأعمش عن ابراهيم قال :قيل لابن مسعود :لم لم تكتب الفاتحة في مصحفك؟ فقال :لو كتبها لكتبتها في اول كل سورة .قال ابو بكر بن ابي داود يعني حيث يقرأ في الصلاة، قال واكتفيت بحفظ المسلمين لها عن كتابتها.(22)

یعنی ابن مسعودؓ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے سورۃ فاتحہ اپنی کتاب میں کیوں نہ لکھی؟ انھوں نے کہا کہ اگر میں لکھتا تو ہر ایک سورۃ کے شروع میں لکھتا۔ ابوبکر بن داود نے کہا کہ مراد ان کی یہ ہے کہ چونکہ لوگوں نے اس کو نماز کے لیے حفظ کر رکھا ہے اور بکثرت پڑھتے ہیں اس لیے لکھنے کی حاجت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کا تواتر باقی قرآن شریف سے زیادہ تھا نہ کہ تواتر سے خارج۔

تواتر فہمی میں آپ کی غلطی:

پادری صاحب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تواتر کے سمجھنے پر وقت نہیں لگایا۔ محدثین نے جو تواتر کی تعریف کی ہے وہ یہ ہے۔

الكثرة احد شروط التواتر بان تكون العادة قد احالت تواطؤهم على الكذب، فلامعنى لتعيين العدد على الصحيح.(23)

یعنی متواتر میں اتنی کثرت ہو کہ عادتاً اتنے آدمی جھوٹ پر جمع نہ ہو سکیں۔ ان میں عدد شرط نہیں۔

صحابہ کرام بالاتفاق فاتحہ کو داخل قرآن سمجھیں، خلافت کے حکم سے قرآن جمع ہو، اس میں فاتحہ درج قرآن ہو، کسی حاضر غائب نے اعتراض نہ کیا ہو۔ تو اتر اس پر ہونے میں کوئی کسر رہ گئی؟ سچ تو یہ ہے کہ ابن مسعود کے قول کی اگر کوئی صحیح تشریح نہ بھی ہو سکے تو بھی ساری مسلم قوم کے اجماع کے مقابلہ میں ان کا تفرد مانع تواتر نہیں۔

پس آپ کا نتیجہ مندرجہ ذیل سراسر غلط ہوا۔ جو یہ ہے:

انہی وجوہ کی بنا پر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ فی الحقیقت سورۃ فاتحہ قرآن کا جزو یا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے ایک طویل زمانہ کے انتخابات کا ایک عمدہ مجموعہ ہے۔(24)

غنیمت ہے آپ کو یہ مجموعہ تو پسند آیا۔ سوامی دیانند کی طرح اس پر متعدد سوال تو نہیں ہوئے۔ اس حق سے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

عمر دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

اسی طرح معوذتین کی کیفیت ہے۔ ابن مسعود ان دو سورتوں کو قرآن میں نہ لکھتے تھے مگر ان کا نزول آسمانی اور الہامی کہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ دو سورتیں بطور دعا کے خدا نے بھیجی ہیں۔ اس لیے قرآن میں درج نہیں کرتے تھے، بلکہ بطور دعا کے پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت سنیے!

عن علقمہ قال :کان عبد اللہ یحکی المعوذتین من المصحف، ویقول :إنما أمر رسول اللہ أن یعوذ بھما، ولم یکن عبد اللہ یقرأ بھما. (25)

یعنی علقمہ کہتے ہیں: عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ آنحضرت کو حکم ہوا تھا کہ ان دو سورتوں کے ساتھ پناہ لیں۔ ابن مسعود ان کی تلاوت نہ کرتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں مرفوع حدیث (فرمان نبویؐ) سنیے:

عن زر بن حبیش: قال: قلت لأبی بن کعب: إن ابن مسعود لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ، فقال أشھد أن رسول اللہﷺ أخبرنی أن جبرئیل علیہ السلام قال لہ: قل أعوذ برب الفلق. فقلتھا، قال: قل أعوذ برب الناس. فقلتھا، فنحن نقول ما قال النبیﷺ (26)

یعنی زر بن حبیش کہتے ہیں: میں نے ابی بن کعب کو کہا: عبداللہ بن مسعود معوذتین کو قرآن میں نہیں لکھتے (کیا یہ قرآن میں سے نہیں ہیں؟) اس نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں تحقیق آنحضرتﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ جبرئیل نے آپ کو کہا تھا:

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ جواب میں (آنحضرتﷺ) نے اسی طرح کہا۔ پس ہم مسلمان بھی اسی طرح پڑھتے ہیں۔

ابن بن کعب کا جواب ہے کہ عبداللہ اگر اپنے فہم سے ایسا سمجھتا ہے کہ یہ دو سورتیں بطور دعا تعویذ ہیں تو یہ اس کا فہم سند نہیں جبکہ رسول کریمﷺ نے ان کو قرآن میں داخل کر کے ہمیں پڑھایا۔

اس سے بھی واضح سنیے:

عن عقبۃ بن عامر قال: قال (رسول اللہﷺ) الا أعلمک سورتین من خیر سورتین قرأ بھما الناس قلت: بلی یا رسول اللہ، فاقرأنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (27)

یعنی عقبہ کہتے ہیں: مجھے آنحضرتﷺ نے فرمایا: میں تجھے اچھی دو سورتیں پڑھاؤں؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور۔ پس مجھے پڑھائی:

أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ و قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ

پس ان احادیث مرفوعہ نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ اور اجماع مسلمین میں عبداللہ بن مسعود کا تاویل پذیر قول کسی طرح خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ تاہم نتیجہ صاف اور صحیح ہے کہ قرآن متواتر ہے۔ ثبوت قطعی یہ ہے کہ دنیا بھر کے حفاظ جمع کر کے ان سے سنیے،

زیر،زبر یا جزم پیش کا فرق بھی نہ ہوگا۔للہ الحمد

مولانا کا طرزِ استدلال

امام رازی علیہ الرحمۃ نے ابن مسعودوالی قرءت کی تضعیف سند تکذیب کی ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی توثیق کی ہے پادری صاحب حافظ ممدوح کی توثیق پر بہت نازاں ہیں مگر ہم نے جو طریق اختیار کیا اس میں نہ امام رازی کی طرح تکذیب کی ضرورت ہے نہ حافظ موصوف کی توثیق کا ضرر، بلکہ جواب صاف ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ اور معوذتین کا نزول الہامی مانتے ہیں مگر بطور دعا اور بطور استعاذہ ان کو پڑھتے تھے، اور یہ ایسا کرنا ان کا فہم تھا جو قرءت متواترہ، رسالت اور اجماع مسلمین کے خلاف تھا، یہ جواب بالکل صاف ہے۔ نہ اس میں امام رازی کی تقلید ہے نہ حافظ مرحوم کی تردید، بلکہ اصل یہ ہے

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

مولانا کا ایک اور انداز سے طرز استدلال

سابقہ سطور میں اس امر پر بحث تھی کہ ابن مسعودؓ کے قرآن میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ الفلق اور الناس داخل نہیں تھیں۔ اس کی تفصیل کے بعد مندرجہ ذیل تحریر لکھئے۔

ناظرین کرام! پادری صاحب کا سورۃ فاتحہ کی بابت ابن مسعود کی روایت بیان کرنے سے جو مقصد ہے وہ ان کے بطن میں ہے اسے ہم ظاہر کیے دیتے ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے کہ غیر قرآن کو قرآن میں ملا دیا گیا۔

اس کا جواب روایتاً ہم دے چکے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے، سورۃ فاتحہ قرآن کا جزو ہے۔ ہاں ہمارا حق ہے کہ پادری صاحب سے دریافت کریں کہ بائبل کا کیا حال ہے؟ جس میں اتنا اختلاف ہے کہ کسی کتاب میں نہ ہوگا۔

رومن کیتھولک پوپ کے فرقہ پروٹسٹنٹ سے پہلے کے ہیں، ان کی بائبل میں مندرجہ ذیل کتابیں زیادہ درج ہیں:

۱۔طوبیا کی کتاب	۲۔یہودیت کی کتاب	۳۔جامع کی کتاب	۴۔نشید الانشید کی کتاب
۵۔یشوع بن سیراخ	۶۔باروک کی نبوت	۷۔مکابیوں کی پہلی کتب	۸۔مکابیوں کی دوسری کتاب

حالانکہ آپ کے فرقہ پروٹسٹنٹ کی چاہے وہ انگلش ہو یا امریکن ان کی کسی بائبل میں اتنی کتب نہیں ہیں۔

پادری صاحب!

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند
یہ گناہ ہے جو آپ کے شہر میں بھی ہوتا ہے۔

پادری صاحب کا اعتراض

پادری صاحب نے اس امر پر بڑی محنت کی ہے کہ عرب میں یہودی۔ عیسائی بکثرت آباد تھے، جن میں بڑے بڑے شاعر بھی تھے، خاص کر امیہ بن ابی الصلت ایک موحد شاعر تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کے اشعار سنا کرتے تھے۔ اس سے آپ نے نتیجہ

نکالا ہے کہ سورہ فاتحہ کتب سابقہ سے آنحضرت ﷺ نے منتخب فرمائی تھی۔ چنانچہ پادری صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> یقیناً امیہ کے اسی قسم کے اشعار نے آنحضرت ﷺ کو اس طرف متوجہ کیا تھا۔

چنانچہ پادری صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> یقیناً امیہ کے اسی قسم کے اشعار نے آنحضرت ﷺ کو اس طرف متوجہ کیا ہوگا کہ آپ کتب مقدسہ کا استقصا کریں اور امیہ کے اشعار کو قدرے تفصیل کے ساتھ الحمد کی صورت میں مرتب فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے الحمد کو کہاں سے انتخاب کیا؟

> آنحضرت ﷺ اہل کتاب کی کتابوں کے صرف مداح ہی نہ تھے بلکہ ان کو منجاب اللہ اور ہدایت و موعظت بھی مانتے تھے۔ امیہ کے ان سحر انگیز اور روح افزا اشعار کو سن کر آپ کو یقین ہوا ہوگا کہ ان سب کی اصل اور ماخذ کتب مقدسہ ہی ہیں۔ اس لیے بلا تاخیر کتب مقدسہ کی طرف آپ نے رجوع کیا ہوگا۔ اور انہی کتابوں سے دیگر قرآنی سور کی طرح الحمد کو منتخب فرمایا ہوگا، چنانچہ الحمد کی آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے ہم ہر آیت کے مقابل کتب مقدسہ کی ایک آیت نقل کریں گے، تاکہ ہماری تفسیر کے پڑھنے والوں کو ہماری رائے کی صداقت میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔(28)

برہان

یہ ماضی احتمالی کے صیغے پڑھ کر ہمیں اس کی مثال یاد آئی کچھ مدت کا ذکر ہے ایک نوجوان مجرد خوبصورت عیسائی ہوگیا تو اس کے مخالفوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ چند روز پہلے گرجا میں گیا ہوگا۔ وہاں بہ جوان لیڈیوں کو دیکھا ہوگا، ان میں سے کسی پر فریفتہ ہوا ہوگا، پھر اس سے طالب ہوا ہوگا، اس نے کہا ہوگا کہ تم عیسائی ہو جاؤ تو مراد پالو گے، اس وجہ میں وہ جوان عیسائی ہوا ہوگا۔

ہمارے خیال میں ماضی حکایہ کے صیغے نہ یہ ٹھیک ہیں نہ پادری صاحب کے احتمالی صیغے صحیح۔ کیونکہ قرآن مجید نے ان احتمالات کی تردید علی الاعلان اسی زمانہ میں کر دی تھی جس زمانہ کا ذکر پادری صاحب آج کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر لکھنے والے کا یہ بھی فرض ہے کہ تفسیر لکھنے سے پہلے قرآن کے مضامین پر ایک نظر رکھے تاکہ کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ پس غور سے سنیے!

> وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ.(29)
>
> (اے رسول ﷺ) تم (نزول قرآن سے) پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے بلکہ بوجہ امی محض ہونے کے اپنے ہاتھ سے کسی کتاب کو چھوتے بھی نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو جھوٹ بہتان لگانے والے فوراً لوگوں میں شک پھیلاتے۔

کہتے پھرتے کہ پڑھا لکھا آدمی ہے، کتابوں سے مضمون اخذ کرکے لوگوں کو سناتا ہے۔ یہ جواب اس وقت شائع کیا گیا جس وقت پادری صاحب کے ہم مذہب عیسائی شاعر اور کتب سابقہ سے مضمون بنانے والے عیسائی اہل علم بھی زندہ تھے۔ اگر پادری

صاحب کی ماضی شکیہ کچھ حقیقت رکھتی تو وہی اہل علم تکذیب کرنے کو کھڑے ہو جاتے۔ اور صاف کہتے: واہ صاحب!

کس نیا موخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

اصلی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ملاقات بجز ورقہ بن نوفل کے کسی عیسائی اہل علم سے ثابت نہیں۔ ورقہ ایک عیسائی اہل علم تھا جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ ابتداء وحی کے بعد آنحضرت ﷺ کی حالت دیکھ کر زوجہ محترمہ ورقہ نے سب کچھ سن کر حضور کو خلعت نبوت پر مبارکباد دی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ، فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ، اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللَّهُ عَلَى مُوسَى، يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ، قَالَ: نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا. ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ.(30)

(یعنی) خدیجہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں، کہا: اے بھائی اپنے بھتیجے کا حال سن۔ ورقہ نے آنحضرت کو کہا میرے بھائی کے بیٹے تم نے کیا دیکھا ہے؟ آنحضرت نے جو دیکھا تھا اس کو بتایا، ورقہ نے سب حال سن کر کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ نبی پر خدا نے بھیجا تھا۔ کاش کہ اس وقت میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تیری قوم تجھ کو نکال دے گی۔ آنحضرت نے کہا: کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں ہمیشہ سے چلا آیا ہے جو کوئی ایسی بات لایا جو تو لایا ہے اس سے لوگوں نے عداوت کی۔ اگر تیرا زمانہ نبوت میں پاؤں تو تیری بڑی مدد کروں۔ اس کے بعد ورقہ جلدی فوت ہو گیا۔

ناظرین کرام! ورقہ کے یہ الفاظ یقیناً پادری صاحب کی ماضی شکیہ اور احتمالیہ سے کئی درجہ اچھے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی عیسائی اہل علم سے حضور کا ربط و ضبط تو کیا ملاقات بھی ثابت نہیں۔ پادری صاحب اور ان کے اعوان و انصار اگر مدعی ہیں تو ماضی شکیہ کے صیغے چھوڑ کر یقینی صیغے بولیں اور ان کا ثبوت بھی دیں۔

ورقہ کی پیش گوئی

ورقہ موصوف کی پیش گوئی کیسی صحیح ثابت ہوئی کہ آنحضرت ؟ کو آخر کار ہجرت کرنی پڑی۔ کیونکہ ورقہ کا وہی علم تھا جو اس شعر میں بتایا گیا ہے۔

کہتی تھی ماہی بریاں کہ دیران قضا
داغ دیتے ہیں اسے جس کو درم دیتے ہیں

پس پادری صاحب کی ماضی حکایہ غلط ہے اور قرآن مجید کی ماضی قریب بالکل صحیح ہے۔غور کیجیے!

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ . (31)

اور بیشک ہم نے تم کو سورۃ فاتحہ دی ہے۔الحمد

پادری صاحب کی بسم اللہ غلط کے جزء فاتحہ نہ ہونے پر دلائل

سورۃ فاتحہ کے جزو قرآن ہونے نہ ہونے کے متعلق اظہار رائے کرنے کے بعد پادری صاحب نے بسم اللہ کے جزو فاتحہ ہونے نہ ہونے پر بحث کی ہے۔

چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ کے الہامی یا قرآن شریف کے جزو ہونے میں بھی وہی اختلاف ہے جو الحمد کی نسبت تھا۔امام مالک اور امام اوزاعی کہتے ہیں:

إنه ليس من القرآن إلا في سورة النمل (32)

یعنی بسم اللہ قرآن میں سے نہیں ہے مگر سورہ نمل میں۔

مدینہ ،بصرہ اور شام کے علماء کے نزدیک بھی بسم اللہ قرآن کا جزو نہیں ہے۔

اس لیے یہ لوگ نماز میں نہ تو بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی بلند آواز سے۔بسم اللہ کے ہر ایک سورت کے شروع میں الہامی ہونے کے متعلق بالکل خاموش ہیں۔(33)

علامہ کازرونی تفسیر بیضاوی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے خاموش رہنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کے نزدیک بسم اللہ کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔(تفسیر بیضاوی بر حاشیہ بسم اللہ)

ان کے برخلاف امام شافعی اور ابن مبارک رحمۃ اللہ اور مکہ وکوفہ کے علماء کہتے ہیں کہ بسم اللہ قرآن کی ہر سورۃ کا جزو ہے۔

اس لیے یہ لوگ قرآن کی دیگر آیتوں کی طرح اس کو بھی نماز میں بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں۔(34)

نتیجہ

اس اختلاف علماء سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی قابل اظہار ہے۔لکھتے ہیں:

اختلاف بالا سے ہم نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ جو لوگ بسم اللہ کو قرآن کا جزو تسلیم نہیں کرتے وہ ایک سو تیرہ آیتیں قرآن میں سے گھٹاتے ہیں۔اور جو لوگ بسم اللہ کو قرآن کا جزو تسلیم کرتے ہیں وہ ایک سو تیرہ آیتیں قرآن میں اضافہ کرتے ہیں۔

برہان

پادری صاحب ایک رائے دل میں بنا لیتے ہیں ،پھر اس پر روایات ڈھالتے ہیں ،ورنہ روایات کے اصول سے دیکھتے تو

یہ نتیجہ نہ نکالتے، البتہ ان کی مخفی غرض کو نقصان ضرور پہنچتا۔ خیر ہم تو حدیث شریف کو راہنما جانتے ہیں۔ جس میں ارشاد ہے:

لکل امرئ ما نوی۔

ہر آدمی جو نیت کرے گا وہی پائے گا۔

پس پادری صاحب اپنی نیت سے کام کریں ہم اپنی نیت سے کرتے جائیں گے۔

فستعلمون من لها عاقبة الدار!

ذالک الکتاب سے کیا مراد

اس تحقیق کے بعد ضرورت نہیں کہ مزید کچھ لکھا جائے، لیکن ہم اپنی عادت کے مطابق آپ کا عندیہ آپ کے الفاظ میں مسلمانوں تک پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ جو آپ نے لکھا ہے بعینہ درج ہے:

> قرآن شریف پر تو لفظ ذالک کا اطلاق کسی صورت میں بھی صحیح طور پر چسپاں نہیں ہو سکتا ہے۔ اول تو اس لیے کہ قرآن شریف حاضر اور موجود تھا، اس لیے اس کے لیے لفظ ہذا لانا چاہیے تھا نہ کہ لفظ ذالک۔ دوم اس لیے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اس وقت تک قرآن شریف مکمل نہیں ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کا مشار الیہ قرآن نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمان یہ کہیں کہ اس کا مشار الیہ وہ چند سورتیں ہیں جو سورہ بقرہ سے قبل مکہ میں نازل ہو چکی تھیں نہ کہ کل قرآن (35)

تو ہمارا یہ جواب ہے کہ اگر ہم آپ کی اس تاویل بعید کو صحیح تسلیم کر لیں تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ قرآن شریف کی وہ باقی سورتیں جو سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہیں مشکوک ہوں گی۔ اور ان تمام صفات سے خالی ہوں گی جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔ پس حقیقت اور صحیح یہی ہے کہ ذلک الکتاب سے بائبل مقدس ہی مراد ہے۔ کیونکہ بائبل مقدس کا خاص نام قرآن شریف میں الکتاب ہی آیا ہے جو لفظ بائبل کا ہم معنی ہے۔ اور بائبل مقدس ہی وہ کتاب ہے جس کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور خدا سے ڈرنے والوں کو الٰہی راستہ نام موعظت بھی آیا ہے۔ (36)

برہان

پہلی وجہ کا جواب پہلے ہو چکا کہ ذالک بمعنی ہذا بکثرت قرآن مجید میں آیا ہے۔ دوسری وجہ کا جواب بھی آسان ہے جو علم نحو کے اصول پر مبنی ہے۔

علم نحو میں اسم کی ایک قسم اسم جنس بھی ہے۔ جس کا استعمال قلیل، کثیر، جز، اور کل سب پر ہوتا ہے۔ ہندی میں اس کی مثالیں گیہوں، چاول، گوشت، کتاب اور قرآن بھی ہے۔ مسلمانوں کو آپ نے سنا ہو گا آپس میں کہا کرتے ہیں: میاں آج تم نے قرآن تلاوت کیا تھا؟ ہاں بھائی آج میں نے نماز فجر کے بعد قرآن پڑھا تھا۔ کیا سارا نہیں؟ بلکہ اسم جنس کے ماتحت جیسا موقع ہو۔

اسم جنس کے متعلق دوسرا قانون یہ بھی ہے کہ جو وصف اس کا ذاتی ہو وہ جیسا کل میں ہو گا جز میں بھی علی قدرہ پایا جائے گا۔ مثلاً پانی اسم جنس ہے۔ جو تاثیر (برودت) کثیر پانی میں ہے وہی ایک قطرہ میں بھی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جملہ قرآن کی نسبت

یہ وصف آیا ہے:

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا. (37)

تحقیق یہ قرآن مضبوط راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔

اسی طرح ریب کی نفی جملہ قرآن سے کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (38)

پس اسم جنس کے قاعدے سے جزو قرآن (وہ) بھی قرآن ہے اور جو وصف عدم ریب اور ہدایت سارے قرآن میں ہے وہ اس کے ہر جزء میں بھی ہے۔

لَا رَيْبَ پر پادری اعتراض اور مولانا کا جواب

پادری صاحب لکھتے ہیں اگر لا ریب فیہ کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے نزدیک وہ قابل شک نہیں (تو غلط ہے) کیونکہ ہم شک کرتے ہیں اور اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے نزدیک وہ قابل شک نہیں ہے تو اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ **(39)**

مولانا فرماتے ہیں محل اس کلام کا وہاں ہوتا ہے جہاں متکلم علی الیقین کوئی بات کہے مخاطب کے شک سے انکار کرنا مقصود نہیں بلکہ محض کلام کا علی وجہ الیقین ہونا بتایا جاتا ہے علم معانی و بیان میں جو قاعدہ ان اور اُن کا لکھا ہے کہ کلام کو موکد اور مخاطب کو یقین دلانے کے لیے آتے ہیں۔ جیسے یہ شعر

جاء شقيق عارضا رمحه

ان بني عمك فيهم رماح

عشیق نیزہ ہلکا کرتا رہا ہے اسے خیال ہے کہ ہم لوگ غیر مسلح ہیں اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ ہم میں بھی اسلحہ موجود ہے۔

یعنی وہ ہمارے مسلح ہونے سے گو منکر ہے مگر ہم اسے یقین دلاتے ہیں کہ ہم مسلح ہیں ٹھیک اسی طرح آیت موصوفہ ہے عربی میں اس کی تقدیر کلام یوں ہے۔

"ان هذا الكتاب هدى للمتقين"

یہ نہیں کہ مخاطب اس میں شک نہیں کرتے کیونکہ مخاطبوں کا شک تو خود منزل قرآن کو مسلم ہے چنانچہ فرمایا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا. (40)

اگر تم شک کرتے ہو تو اس جیسی سورت بنا ڈالو۔

عربیت کی رو سے پادری صاحب کے اعتراضات اور مولاناؒ کا طرز استدلال:

پادری صاحب نے یہاں عربیت کی رو سے بھی اعتراض کیے ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا. (41)

یہاں پر الذی کا استعمال غلط ہے۔ الذین کہنا چاہیے تھا۔(42)

برہان

عربی زبان میں الذی اور من دونوں موصول ہیں۔ اور دونوں ایک ہی معنی کے لیے ہیں اور ان کا حکم بھی ایک ہی ہے۔ یعنی صورتاً مفرد ہیں اور جمع کے معنی ان کے اندر داخل ہیں۔ من کی مثال پہلے آ چکی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ . (43)

اس آیت میں من کی صورت کے لحاظ سے يَقُولُ مفرد ہے۔ اور شمول جمع کے لحاظ سے ھُم جمع آیا ہے۔ اسی طرح آیت زیر بحث میں الَّذِی کو سمجھیے۔ جس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا گیا ہے جو مَنْ کے ساتھ یعنی اِسْتَوْقَدَ صیغہ مفرد ہے اور جب ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ میں ھم جمع ہے۔ پس یہ الَّذِی صورتاً مفرد ہے معناً جمع یعنی الذین ہے۔ اس جواب سے آپ دوسرا سوال بھی رفع ہو جاتا ہے جو یہ ہے:

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ میں جو لفظ فَلَمَّا ہے اس کے جواب کا مذکور ہونا واجب ہے۔ حالانکہ اس کا جواب کہیں بھی نہیں ہے۔ علامہ زمخشری ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ کو اس کا جواب بتلاتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے جواب ہونے میں دو مانع ہیں: ایک لفظی اور دوسرا معنوی۔

مانع لفظی یہ ہے کہ اسْتَوْقَدَ میں اور حَوْلَهُ میں ضمیر واحد ہے اور بنورہم میں ضمیر جمع ہے۔ لہذا ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ، فلما جواب نہیں ہو سکتا۔ مانع معنوی یہ ہے کہ مستوقد نارا یعنی آگ سلگانے والے کا کوئی قصور نہیں۔ قصور اگر ہے تو منافق کا ہے۔ پس اس کی آگ کیوں بجھائی جاتی ہے؟(44)

جواب

لفظی مانع کا جواب یہ ہے کہ استوقد کے بعد فعل فعل محذوف ہے یعنی آگ جلانے والے نے اپنے فعل کو جاری نہ رکھا۔ قرینہ اس حذف کا ہم آپ کو بتاتے ہیں مگر خطرہ ہے کہ آپ کو اس کے سمجھنے میں دقت ہوگی۔ خیر جو بھی ہو۔ سنیے! علم اصول کا مسئلہ ہے:

الفعل لا يدل على التكرار .

کوئی فعل بھی (مثلاً استوقد) تکرار پر دلالت نہیں کرتا۔

باصطلاح فارسی یوں کہیے کہ فعل ماضی مطلق (آمد) ماضی استمراری (آمد) کے معنی نہیں دیتا۔ پس استوقد کے معنی ہیں آگ جلائی مگر جلائی استمرار فعل جلاتا رہا کو مستلزم نہیں۔ استمرار اسی صورت میں ہوگا کہ آگ جلانے والا لکڑیوں سے آگ کو مدد دیتا رہے۔ جب یہ اس نے نہ کیا تو آگ بجھنے میں اس کا قصور ہے۔ چنانچہ ہم نے ترجمہ میں ان سب باتوں کو کھول دیا ہے۔

علاوہ اس کے تشبیہ میں کسی قصور بے قصور پر نظر نہیں ہوتی بلکہ دونوں میں ہیئت کذائی پر نظر ہوتی ہے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ تشبیہ غلط ہے: زید عمرو دو بھائی ہیں، زید بیماری کی وجہ سے فیل ہوا۔ عمرو غفلت اور کھیل کی وجہ سے۔ ان کے باپ سے کوئی پوچھتا

ہے لڑکوں کا امتحان کیسا رہا؟ وہ کہتا ہے: جیسے زید فیل ہوا ویسے عمرو فیل ہوا۔ حالانکہ ان میں ایک کا قصور ہے دوسرے کا نہیں۔ مگر متکلم کو اس سے غرض نہیں وہ صرف نتیجہ بتاتا ہے۔ فافہم یا اولی الالباب۔

پادری صاحب کا تیسرا سوال

اَصَابِعَهُمْ اَصابع کا استعمال یہاں پر معیوب ہے انامل کا مستحسن تھا۔ کیونکہ اصابع کا اطلاق پوری انگلیوں پر ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص اپنی پوری انگلیوں کو اپنے کان میں نہیں ڈالتا ہے۔ بلکہ اپنی انگلیوں کے سروں کو اپنے کانوں میں ڈالتا ہے۔ اور انگلیوں کے سروں کے لیے انامل استعمال ہوتا ہے۔(45)

برہان

پادری صاحب نے غور نہیں فرمایا یہاں خوف کی شدت بطور مبالغہ کے بتانا مقصود ہے۔ معمولی آواز کے لیے انامل کام دے سکتی ہیں مگر جب سخت شدت کی آواز ہو (جیسی ریلوے انجن کے قریب) تو اس وقت انسان اس مکروہ آواز سے بچنے کے لیے اتنی کوشش کرتا ہے کہ ہو سکے تو ساری انگلی کان میں داخل کر دے۔

آہ! اس کی پوری مثال ہم آپ کو اس وقت بتائیں گے جب آپ جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد غازی (دھرم پال) کی طرح ہم سے ملاقی ہوں گے تو ہم آپ کو پڑ در کھینچتے ہوئے یہ شعر پڑھیں گے۔

جذبہ عشق بحد یست میان من و تو

کہ رقیب آمد و نشناخت نشان من و تو

جذبہ عشق ہمارے اور تمہارے درمیان رہے کہ رقیب آئے اور میرے اور تمہارے نشان پہچان نہ سکے کیا آپ اس وقت بھی فرمائیں گے کہ نہیں ہم ایک نہیں دو ہیں۔ واللہ اگر ایسا کہیں گے تو باذاق حاضرین بیک زبان آپ کو کہیں گے۔

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست۔

چوتھا پانچواں سوال

فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ (البقرۃ:19) میں چونکہ ظلمات کو بصیغہ جمع ذکر کیا ہے لہذا مناسب تھا کہ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ کو بھی بصیغہ جمع ذکر کرتا۔ رعود وبروق۔

5۔لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ میں لفظ سمع کو واحد لایا گیا ہے اور ابصار کو جمع۔ مناسب یہ تھا کہ یا تو دونوں کو جمع لاتے یا دونوں کو واحد۔ چنانچہ ابن ابی عبلہ کی قراءت میں لفظ سمع بجائے واحد کے بصیغہ جمع اسماع آیا ہے جو ابصار کے بالمقابل صحیح معلوم ہوتا ہے۔

برہان

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ حسب قاعدہ ان کی جمع بنا سکتے ہیں مگر ہمیشہ یا اکثر استعمال میں جمع مستعمل نہیں ہوتی بلکہ مفرد ہی استعمال ہوتا ہے۔ رعد اور برق اور سمع اسی قسم سے ہیں۔ رعد اور برق قلیل الاستعمال ہیں۔ نیز ان میں اضافت بھی نہیں

ہوتی۔ہاں جمع کا لحاظ کثیر الاستعمال ہے اور اضافت سے آتا ہے۔باوجودیکہ اس کا مضاف الیہ جمع ہوتا ہے تاہم یہ مفرد آتا ہے۔غور سے سنیئے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ ۔ (46)

پادری صاحب! اس کی مثال اردو میں یہ ہے۔مال کی جمع اموال یا مالوں اور پیسہ کی جمع پیسے، روپیہ کی جمع روپے آتی ہے۔مگر بولنے میں کہا جاتا ہے زید کا مال تباہ ہوگیا۔زید کا پیسہ لٹ گیا۔زید کا روپیہ تجارت میں پھنس گیا۔کیا یہ محاورات غلط ہیں؟ ٹھیک اسی طرح یہ الفاظ عربی میں مستعمل ہیں۔

نوٹ: یہ سوالات تفسیر کبیر، بیضاوی، وغیرہ میں مع جوابات درج ہیں (گو ہمارے جوابات کی نوعیت اور ہے) لیکن پادری صاحب محض سوالات نقل کرکے اپنا کمال دکھاتے ہیں اور جوابات اپنے ناظرین تک نہیں پہنچاتے۔آپ سے پہلے بھی ایک صاحب گزرے ہیں جن کے بارے میں ان کے مظلوم نے کہا ہے:

خون ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے
کیوں وہ بیٹھے ہیں مری نعش پہ دامن ڈالے

حوالہ جات

۱۔ بھٹی اسحاق، مولانا، بزم ارجمنداں، ص 166: مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ لاہور، 2006ء

۲۔ مولانا محمد داؤد راز دہلوی، حیات ثنائی، ص 54۔ 56، طبع 1978، دہلی

۳۔ صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا، فتنہ قادیانیت اور مولانا امرتسری، ص 40، مکتبہ محمدیہ، الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، اگست 2007ء

۴۔ فتنہ قادیانیت اور مولانا امرتسری، ص 40

۵۔ چوہدری عبدالمجید، خادم، سیرت ثنائی، ص 3، مکتبہ قدوسیہ لاہور، طبع اول، 1989ء

۶۔ سیرت ثنائی، ص 14

۷۔ معارف، جلد 24، ص 216، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ انڈیا۔

۸۔ حیات ثنائی، ص 572 ۹۔ حیات ثنائی، ص 573

۱۰۔ ثناء اللہ امرتسری، مولانا، برہان التفاسیر لاصلاح سلطان التفاسیر، ص 76: جمعیۃ اہل السنال الکبریہ، گوجرانوالہ، جون 2011ء

۱۱۔ برہان، ص 290: ۱۲۔ برہان، ص 114:۔ 115

۱۳۔ البقرۃ 1: 7 ۱۴۔ پادری سلطان محمود، سلطان التفاسیر، ص 28:

۱۵۔ تفسیر ثنائی، 19/1

۱۶۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، 7/2، مکتبۃ المعارف، الریاض، 1996؛ شرح مسلم للنووی 218/16

۱۷۔ سلطان التفاسیر، ص 2

۱۸۔ آلوسی، محمود، علامہ، روح المعانی، جلد اول، صفحہ 31، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س ن

۱۹۔ دیباچہ تفسیر انجیل متی ص 5

۲۰۔ الاتقان النوع الثامن عشر فی جمعہ و ترتیبہ ص 64؛ المائدہ، سلطان التفاسیر ص 3

۲۱۔ برہان ص 5

۲۲۔ عماد الدین، ابوالفداء، اسماعیل، تفسیر ابن کثیر، فاتحہ 10/1، قیصر اکیڈمی، کراچی، 1987

۲۳۔ عسقلانی، ابن حجر، شرح نخبہ ص 8، دار الفکر، بیروت، لبنان، س ن

۲۴۔ برہان ص 5

۲۵۔ تفسیر ابن کثیر 3 :/742، سورۃ الفلاح

۲۶۔ تفسیر ابن کثیر 4/741 :

۲۷۔ تفسیر ابن کثیر 4 :/742

۲۸۔ سلطان التفاسیر ص 8

۲۹۔ العنکبوت 48:

۳۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ؟، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، 2000ء، ح 3؛ مسلم، ح 160

۳۱۔ الحجر 8 :7

۳۲۔ ص 100 تفسیر بیضاوی جلد اول ص 8

۳۳۔ تفسیر کبیر جلد اول ص 100

۳۴۔ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم، تفسیر خازن جلد اول ص 22، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1979ء

۳۵۔ تفسیر کبیر 1/156:

۳۶۔ سلطان التفاسیر ص 29

۳۷۔ الاسراء 9:

۳۸۔ السجدہ 2 :

۳۹۔ سلطان التفاسیر ص 30

۴۰۔ البقرہ 23 :

۴۱۔ البقرہ 17:

۴۲۔ سلطان التفاسیر ص 59

۴۳۔ البقرہ 8:

۴۴۔ برہان التفاسیر ص 59

۴۵۔ سلطان التفاسیر ص 59

۴۶۔ الانعام 46: